Al-Azhār

Volume 8, Issue 1 (Jan-June, 2022)

ISSN (Print): 2519-6707

Issue: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/issue/view/18

URL: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/329

Article DOI: https://doi.org/10.46896/alazhr.v8i01.329

Title Theology of Progressive Fiction Writers in. K.P

Author (s): Muhammad Jan and Professor Dr. Izhar Ullah Izhar

Received on: 26 June, 2021

Accepted on: 27 May, 2022

Published on: 25 June, 2022

Citation: Muhammad Jan and Professor Dr. Izhar Ullah Izhar, "Construction: Theology of Progressive Fiction Writers in. K.P," Al-Azhār: 8 no, 1 (2022): 95-103

Publisher: The University of Agriculture Peshawar

Click here for more

ترقی پسند افسانہ نگاروں کا تصور مذہب اور خیبر پختونخوا

Theology of Progressive Fiction Writers in. K.P

* محمد جان

** پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار

Abstract

In 1936, some prominent literary figures of the time launched "Anjuman-e-Taraqi" Passand Tahreek. These progressive minded figures including Syed Sajjad Zaheer, Dr. Malik Raj Anand, Dr. Jyoti Parsad, Permod Sen Gupta and Dr. Taseer were among the pioneers of this movement, inspired by secularism, socialism, communism and Marxism. Majority members of the movement were Hindus. Though a few Muslim writers were also part of this bunch. The literature they created/ developed was a reflection of vulgarity, secularism and an open revolt against the established values of the United India.

Their joint literary venture titled "Angaray" stirred the whole society to the extent that it was even banned by the then English government over the charges of containing objectionable material, obscenity and blunt views against the religious and social values. Religious colour became dominantly visible in the writing/ works of the great fiction writes of Khyber Pakhtunkhwa once this secular-inspired movement entered this land of hospitality. The local fiction writes highlighted the sanctity of the religion so artistically in their art works that it vanished the impacts of secularism and communism established under this movement. Taking pride in his rich traditions with confidence in his creative artistic abilities, though the fiction writer of KP warmly welcomes the external movements yet he does not pollute his literary spirit with the external negative effects. As a matter of fact, he makes necessary amendments in his literary work for producing positive effects on the society.

Keywords: prominent, Anjuman-e-Taraqi, Syed Sajjad Zaheer, Dr. Malik Raj Anand, Dr. Jyoti Parsad,

* پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر اسلامیہ کالج پشاور

** پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار، صدر شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی پشاور

1936ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد سید سجاد ظہیر ملک راج آنند، پرمور سین گپتا، احمد علی، رشید جہاں اور محمود ظفر کی کاوشوں کے نتیجے میں پڑی لیکن دسمبر 1932ء میں ایک افسانوی مجموعہ "انگارے" کی اشاعت کو اس تحریک کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ اس مجموعے میں احمد علی، سید سجاد ظہیر، رشید جہاں اور محمود الظفر کے افسانے شامل تھے۔ یہ افسانے جو "انگارے" میں شائع ہوئے وہ بلاشبہ ایک مستحکم، منظم، متوازن مربوط اور مسلمہ معاشرتی اصول و قیود کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ ڈاکٹر انور سدید کے مطابق:

> "ترقی پسند تحریک کے ادباء نے پہلی ضرب اخلاقیات پر لگائی اور پھر معاشرے کے چند اہم قدروں کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دیا۔ چنانچہ دسمبر 1932ء میں افسانوں کی کتاب "انگارے" کی اشاعت ہوئی۔ تو معنوی طور پر متذکرہ بغاوت کا اعلان نامہ بھی تھا اور ترقی پسند تحریک کا نقطہ آغاز بھی"(1)

ترقی پسند تحریک کے سرکردہ پیش روؤں میں سے بعض تو ہندو تھے جب کہ دیگر رہنماؤں میں بیش تر ایسے سیکولر مسلمان تھے جن کی تربیت یا تو یورپ میں ہوئی تھی یا ایسے اداروں میں ہوئی تھی جو یورپی تہذیب کے پروردہ تھے۔ یہ نوجوان اگر ہندوستانی معاشرے کی اصلاح بھی چاہتے تھے تو بھی اسلام کے زریں اُصول ان کے پیش نظر نہیں رہے۔ وہ اصلاح کی خاطر دیگر روزرائج اور انقلابات پر غور و فکر کرتے رہے اور اسلام کی درخشاں تاریخ و عروج ان کی نگاہوں سے اوجھل رہی۔ انھیں اسلام کی مربوط، منظم، مروج اور ہمہ جہت اُصولوں میں بھی بے کیفی نظر آئی۔ اسی وجہ سے سید احتشام حسین کو کہنا پڑا کہ

> "یہ نوجوان مصنف زندگی کی بے کیفی اور یک رنگی سے گھرائے۔ اور جذباتی انقلابی تصورات سے بھرے ہوئے تھے۔"(2)

جب افسانوی مجموعہ "انگارے" شائع ہوا تو اس مجموعے کا نام بھی اسم بامسمی ثابت ہوا۔ جس نے چاروں طرف لوگوں کی سوچوں، فکروں، فلسفے اور عقیدے میں جیسے آگ لگائی۔ یہاں تک کہ اس تحریک کے روح رواں سید سجاد ظہیر کو بھی کہنا پڑا کہ

> "انگارے کی بیش تر کہانیوں میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ کم اور سماجی رجعت پرستی اور دقیانوسیت کے خلاف غصہ اور ہیجان زیادہ ہے۔"(3)

> "انگارے" کے افسانوں میں قصداً عمداً ایسا مواد شامل کیا گیا تھا کہ لوگوں کے ٹھہرے ہوئے خیالات میں ہیجان انگیزی پیدا کرے۔ مذکورہ مجموعے میں ایسا اسلوب اپنایا گیا جو کسی مہذب

اور منظم سماج کے مسلمہ اقدار کی نفی کرتا تھا۔ اس لیے عزیز احمد نے "اسے "سماج پر پہلا وہ شیانہ حملہ قرار دیا۔"(4)

عوامی سطح پر اس مجموعے کے خلاف بھرپور رد عمل سامنے آیا۔ بلکہ

"نیاز فتح پوری اور عبد الماجد دریا آبادی نے اس کے خلاف مضامین لکھے اور اخبار "مدینہ" اور "سرفراز" نے اس کی اس قدر مذمت کی کہ مارچ 1933 میں اس کتاب کی ضبطگی کا حکم دیا گیا۔"(5)

عوامی سطح پر مخالفت کی یہ حالت تھی کہ کتاب کی ضبطگی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے خلاف مسجدوں کی ممبروں سے کفر کے فتوے جاری ہوئے اور اس کے مصنفین کو غیر مسلم اور کمیونسٹوں کا ساتھی قرار دیا گیا بلکہ اجتماعی سطح پر فنڈ جمع کر کے ان کے خلاف قانونی کاروائی کرائی گئی۔

ڈاکٹر شہناز احمد نے اس بحث کو یوں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

"اس مجموعے میں رشید جہاں انگارے والی رشید جہاں کے نام سے مشہور ہو گئیں اور ان کے خلاف فتوے دیئے گئے۔ اس میں شامل دیگر ادیبوں کے خلاف قانونی کاروائی کرنے کے لیے فنڈ اکھٹا کیا جانے لگا۔ آخر کار یو۔پی گورنر کونسل میں اس پر بحث کی گئی اور مارچ 1934ء میں آئی، پی، سی کی دفعہ 245 کے تحت "انگارے" کو ضبط کرنے کا حکم دیا گیا۔ نتیجتاً پانچ کاپیوں کو چھوڑ کر (سرکاری ریکارڈ کے لیے پانچ کاپیاں محفوظ کرلی ہیں) جتنی بھی کاپیاں مل سکیں انھیں جلانے کا انتظام کیا گیا۔ کتاب کی ضبطگی کا باضابطہ اعلان 25 مارچ 1934ء کے سرکاری گزٹ میں کیا گیا۔"(6)

یہ تو خارجی سطح پر مذکورہ برائے نام ترقی پسند نظریات کو شدید رد عمل کے ذریعے رد کر دیا گیا۔ داخلی سطح پر بھی اس تحریک کے بانیوں میں پھوٹ پڑی اور اختلافات اس قدر شدت اختیار کر گئے کہ پروفیسر احمد علی نے اپنا دھڑا الگ کیا اور سید سجاد ظہیر اپنے ہمنواؤں کے ساتھ دوسرے رستے پر چل پڑے۔ احمد علی ادب میں سیاست کے قائل نہیں تھے اور نہ ہی ادب میں موجود تمام روایات کو بیک جنبش قلم رد کرنے کے حق میں تھے جبکہ سید سجاد ظہیر ہر اس امر کے خلاف صف آرا تھے جس کی جڑیں روایت میں پیوست ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انگارے کے افسانوں میں شعوری طور پر مذہب سے بے زاری کا اظہار کیا گیا۔ پرانی روایات سے کراہیت ظاہر کی گئی معاشی سطح پر موجود مثبت پابندیوں پر برہمی ظاہر کی گئی۔ جنسی موضوعات کے مواسد ہے۔ معاشرتی اقدار کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

مذہب پر ایسے تابڑ توڑ، بے باکانہ اور جرات مندانہ حملے ہوئے کہ اگر اس کی روایت پڑ جاتی تو متحدہ ہندوستانی معاشرہ روحانی سطح پر پستیوں کی اتھاہ۔ سمندر میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتا۔

"انگارے" میں موجود افسانے "نیند نہیں آتی" میں اس تحریک کے سرخیل سید سجاد ظہیر ترقی پسندی کی رو میں بہہ کر سب کی ایسی کی تیسی کر دیتا ہے۔ یہاں کہ تک معصوم فرشتوں کو بھی بخشنا گوارا نہیں کرتا۔ ان کے ٹوٹے ہوئے خیالات، بوکھلاہٹ، زبان کی لڑکھڑاہٹ کا اندازہ اس اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

> "ایک سال، دوسال، سوسال، ہزار سال موت کا فرشتہ آیا۔ بدتمیز، بے ہودہ کہیں کا، چل نکل یہاں سے، بھاگ، ابھی بھاگ، ورنہ تیری دم کاٹ لوں گا۔ ڈانٹ پڑے گی پھر بڑے میاں سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہنستا ہے؟ کیوں کھڑا ہے۔۔۔۔۔۔ سامنے دانت نکالے، تیری ایسی کی تیسی، تیرے فرشتے کی۔۔۔۔۔۔۔۔ ساری دنیا کی ایسی کی تیسی۔ زرا آپ کی قطع ملاحظہ فرمایئے پھونک دو تو اڑ جائیں۔ بڑے شاعر غراتے ہیں۔۔۔۔۔ مشاعروں میں تعریف کیا ہو جاتی ہے کہ سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ کیا سمجھتے ہیں۔ بے چاری سمجھیں گے کیا۔۔۔ بیوی جان کچھ سمجھنے بھی دیں۔ صبح سے شکایت رونا دھونا، کپڑا پھٹا ہے۔ بچے کی ٹوپی کھو گئی ہے۔ نئی خرید کے لے آؤ جیسے میری اپنی ٹوپی نئی ہے۔ کہاں کھو گئی۔ اس کے ساتھ کونے کونے میں تھوڑی بھاگتی ہوں۔ مجھے کام کرنا ہوتا ہے۔ برتن دھونا، کپڑے دھونا، سارے گھر کا کام کاج میرے ذمہ ہے۔ مجھے شعر کہنے کی فرصت نہیں سن لو خوب اچھی طرح سے۔ مجھے کام کرنا ہوتا ہے بھڑ کا چھتہ چھیڑ دیا۔ اب جان بچانی مشکل ہے۔"(7)

اس افسانے میں جس طرح معصوم فرشتے کو بدتمیز اور بے ہودہ کہا گیا ہے اور پھر اس کی دم کاٹنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ پھر اس کی ایسی کی تیسی کرنا پھر موت کو برا بھلا کہا وغیرہ مذہب پر جارحانہ اور جرات مندانہ حملے تھے۔ پھر بیوی بچے، گمشدہ ٹوپی، پھٹے کپڑے کا احساس، بیوی کا مسلسل محنت، بیزاری، چڑچڑاپن اور اس کا جھاڑ کی طرح الجھ جانا۔ پھر بھڑ کا چھتہ چھیڑنے کا احساس اور تخلیقی صلاحیتوں کا ضیاع وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو ترقی پسندوں بلکہ ان کے سرخیلوں کی لادینیت، دین سے دوری، سیکولرازم اور ان کے درآمد شدہ کمیونسٹ خیالات کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

ایسی درجنوں مثالیں افسانوی مجموعہ "انگارے" اور دیگر برائے نام ترقی پسند نعرہ زنوں کے افسانوں سے پیش کیے جاسکتے ہیں جو انھوں نے ترقی پسندی اور روایت شکنی کے زعم میں آکر متحدہ ہندوستان کے ہزاروں سالہ

عظیم نفیس، شائستہ، مروج، موقر اور موثر اقدار کی امین روایات کو توڑنے کی مذموم کوشش کی ہے جس کا خاطر خواہ اثر ہندوستان کے دیگر گوشوں میں قبول بھی کیا گیا۔

لیکن اچھنبے کی بات یہ ہے کہ جب یہی روایت شکن، مذہب مخالف اور سیکولر تحریک خیبر پختونخوا کی اسلام پسند سرزمین میں داخل ہوئی تو یہاں کے قلم کاروں کی بالعموم اور افسانہ طرازوں کی بالخصوص اسلام پسندی نے اس سیکولر تحریک کو نہ صرف مذہب کی تکریم کا سبق پڑھایا بلکہ اسے اسلام کی تقدیس کا جامہ پہنا کر اسلام کا ہم نوا بنایا۔ اس حوالے سے خیبر پختونخوا کے نامور ترقی پسند افسانہ نگاروں کے افسانوں سے بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن دریں تحریر کی ضخامت کا خوف دامن گیر ہونے کے باعث چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں رضا ہمدانی کا افسانہ "فقیر" بطور حوالہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس افسانے میں جہاں معاشرے کے سرمایہ دار، خُدائی فوجدار، آرام طلب، نفس پرست اور جنت کے ٹھیکیدار خود غرض مولویوں اور برہمنوں پر کاری ضربیں لگائی گئی ہیں وہاں مذہبی برہمنوں توہم پرستی کو بھی طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ افسانہ "فقیر" ایسے توہم پرستوں کی کہانی ہے جو ہاتھ پیر تڑوا کر، جھولی پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رزق پہنچانے والی ذات ہے۔ افسانہ نگار نے یہ تاثر اُبھارنے کی کوشش کی ہے کہ ایسی بے عملی اور برائے نام قناعت پسندی دراصل استحصالی قوتوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔ جب افسانے کا فقیر بھوک سے نڈھال ہو کر پکار اُٹھتا ہے "کہ

"کھانا مجھے تین دن سے رب العلمین نہ پہنچا سکا اور تم اس کی مخلوق ہو"(8)

چونکہ فقیر مرگ وزیست سے برسرپیکار ہے اور حواس باختہ ہو کر بول کر رہا ہے اس لیے رضا ہمدانی ایک ماہر نفسیات دان کی طرح مذہب کا سہارا لیتا ہے اور افسانے میں موجود تلخی کا ازالہ یوں کرتا ہے۔

> "نہیں بابا ایسا نہیں ہے۔ رب العلمین کے پاس کسی شے کی کمی نہیں اس نے تمہاری ضروریات سے زیادہ اشیاء پیدا کر رکھی ہیں۔ تمہیں کھانا نہ پہنچنے کی تمام ذمہ داری ان سرمایہ داروں اور امیروں پر عائد ہوتی ہے جن کو قدرت نے اپنا امین بنا کر بھیجا ہے۔ ان کو دولت اس لیے عطا کی ہے کہ وہ ان میں سے بیواؤں اور یتیموں پر تقسیم کریں لیکن وہ خُدا کی دی ہوئی دولت کو غلط طریقے پر ہوس رانیوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ فطرت کے قوانین توڑنے والی اور اس کی توہین کرنے والی یہاں کی خود غرض سوسائٹی ہے"(9)

زیتون بانو نے اگرچہ پشتون زبان میں افسانے لکھے ہیں تاہم ان کے شریک حیات تاج سعید صاحب نے ان کے افسانوں کا ترجمہ کر کے اردو کا دامن وسیع کیا۔ ان کے افسانے "کرم خوردہ ستون" کا مرکزی کردار "صابرہ"

جب درد و غم سے نڈھال ہوتی ہے تو اپنے غموں کا مر اور ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے مانگتی ہے۔

"اُف خُدایا! یہ کون سی آگ ہے جس کی تپش محسوس ہو رہی ہے۔ یہ کون سے شعلے ہیں جو میرے چاروں طرف پھیل گئے ہیں یا اللہ! کون سا عذاب ہے جو میرے دماغ کے دریچوں میں داخل ہو گیا اور جس نے میرا سکون درہم برہم کر دیا ہے۔"(10)

عورتوں کا پردہ کرنا اور مستور رہنا اسلامی اقدار کا جزو بنفک ہے۔ افسانہ "خوشگوار لمحوں کا افسانہ" میں زیتون بانو کے قلم کا نتیجہ ملاحظہ ہو۔

"تم نے مجھے پانی میں دھکا دیا۔ میرا اس میں دوپٹہ گر گیا اور جب میں نے اسے پکڑنا چاہا تو تم نے روک دیا اور مجھ سے کہا کہ سر سلامت ہے تو دوپٹے بہت۔۔۔۔۔۔ میں تمہارا دوپٹہ ہوں نہیں کیا؟ کیا تم مجھے اپنے سر کا سایہ نہیں سمجھتیں؟"(11)

"اُوفوبا العقود" اسلامی اقدار میں شامل اور پشتون سماج کی پہچان ہے۔ افسانہ "ایفائے عہد" میں حضرت شاہ نے اس غیور قوم کا نقشہ نہایت خوبصورتی سے کھینچا ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار "سریش" نے رات کی تاریکی میں وارد ہونے والے ایک اجنبی کو پناہ دے رکھی ہے۔ بعد میں اسے اُسے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان اس کے اکلوتے بیٹے "مکند" کا قاتل ہے۔ گو اس کے مذہب میں قاتل کو پناہ دینے کی گنجائش نہیں ہے لیکن وہ وعدہ کر چکا ہے ایفائے عہد کرتے ہوئے اُس نے ایک گھوڑا اسے پیش کیا تاکہ وہ رات کی تاریکی میں نکل جائے مبادا بیٹے کی انتقام کی آگ بھڑک اُٹھے یہ ایثار و قربانی کا اظہار ہے۔(12)

عورت کا گھر سے بلا ضرورت باہر قدم رکھنا از روئے اسلام بلکہ از روئے پشتون سماج ایک قبیح فعل ہے۔ طاہر آفریدی کے افسانے "پگڑی" میں مرکزی کردار "گلنار" جب محبوب کے ساتھ گھر کی دہلیز پار کرنے لگتی ہے تو اُسے جرگوں میں بیٹھے اپنے بابا کی باوقار پگڑی یاد آتی ہے اور وہ قدم روک کر یوں گویا ہوتی ہے۔

"مجھے چھوڑ دو۔۔۔۔ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی۔ میں واپس جا رہی ہوں گلنار نے رو کر کہا۔ یہ آخر تمہیں اچانک کیا ہو گیا۔ افضل نے اسے پوچھا۔ میرے باپ کی پگڑی میرے پاؤں میں اُلجھ گئی ہے۔ اور گلنار افضل کو چھوڑ کر گھر کی طرف دوڑنے لگی۔"(13)

خیبر پختونخوا میں فرد مذہب اور مذہب فرد کے ساتھ ایسا جڑا ہوا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔ فرد کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، دونوں صورتوں میں مذہب پشتون معاشرے کا جزلاینفک ہے۔ یہاں تک کہ رشتے ناتے تک کو مذہب کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ سیدہ زاہدہ حنا کا افسانہ "انہونی" کا مرکزی

کردار "فرحت آپا" کو خوبصورت ہونے کے باوجود جوڑ کا رشتہ نہیں ملتا اور اس کی شادی کی عمر گزر جاتی ہے۔ اس کے رشتے کے نہ ہونے میں جہاں دیگر عوامل کار فرما تھے۔ وہاں مذہب کا عنصر نمایاں تھا۔ افسانہ "انہونی" کا اقتباس کس قدر صحیح عکاسی کر رہا ہے۔

"ہر لڑکے میں کوئی نہ کوئی عیب نکل آیا۔ کوئی بے نمازی تھا۔ کوئی ٹیڈی کپڑے پہنتا تھا چچی بھلا ایسے لفنگوں کا رشتہ اپنی حوروں جیسی بہن کے لیے کیسے منظور کر لیتیں۔"(14)

مسز منور رؤف کے افسانوں کی پلاٹ اور بنت میں بھی ایک روحانی فضا برقی رد کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ ان کے اکثر کردار جب زندگی کے مصائب اور آلام سے گھبرا جاتے ہیں۔ تو مذہب کی صورت میں اُسے ایک مضبوط اور محفوظ پناہ گاہ نظر آتی ہے اور یہی مسز منور رؤف کی روحانی بالیدگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ افسانہ "درویند، پختون" مذکور دعویٰ کی تائید کر رہا ہے۔

"خان بابا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کو کہتے ہیں۔ درویند پختون کیا مطلب؟
ملک شہزاد خان نے بیٹی سے استفسار کیا۔
خان بابا! جب شرافت، نیکی، سخاوت، اعلیٰ ظرفی اور شجاعت کسی انسان میں یک جا ہو جائیں۔ تو وہ محض رضائے الٰہی کے لیے کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور یہی چیز ایک درویند پختون کے شایان شان ہے۔"(15)

خیبر پختونخوا کے اردو افسانے میں مذہبی رنگ کی چاشنی یوسف عزیز زاہد کے علامتی و نیم علامتی افسانوں میں بھی جابجا چھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یوسف عزیز اگرچہ علامتی افسانہ نگار ہے۔ تاہم ان کی علامت ابلاغ کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ ان کے افسانے "بے نشاں قدموں کی چاپ"، "نقطہ اور دائرہ"، "کہانی کے کنارے بیٹھی ہوئی خواہش"، "پیاس کا صحرا"، "بلیک ہول" اور "جیون ایک ناٹک" علامتی افسانے ہونے کے باوجود مقبول خاص و عام ہیں۔ یوسف عزیز علامت کے سلسلے میں مذہب کا سہارا لے کر علامت کو مزید سطوح سے ہم کنار کرتا ہے۔ کبھی کبھار تو علامتی انداز میں بعض احادیث کی طرف اشارہ کر کے موضوع کو مزید بامعنی بنا دیتا ہے۔ جیسے ان کا افسانہ "تاریک بستی میں فاسفورس کا آدمی" سے ماخوذ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سورج ہی اب اس سمت طلوع نہ ہوتا ہو۔ بوڑھے شخص نے اپنی بات منوانا چاہی۔ تم جانتے ہو ایسا صرف ایک ہی دن ہو گا، آخری دن، نوجوان اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔"(16)

مذہبی رنگ حیدر قریشی کے افسانوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اگرچہ ان کا اسلوب بھی یوسف عزیز زاہد کی طرح اشاراتی، استعاراتی اور علامتی ہے۔ تاہم ان کی علامت میں صراحت اور ایہام میں بھی وضاحت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ الہامی قصص اور تاریخی مواد پر مشتمل ان کا افسانہ پلک جھپکتے ہی انسان کو رب کائنات کے حضور لا کھڑا کر دیتا ہے۔ ان کا افسانہ "میں انتظار کرتا ہوں" خاصے کی چیز ہے۔ اس افسانے کا ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجئے:

"میں سوتیلے جذبوں کا شکار ہوں۔ میرے سوتیلے عزیز تاریخ کو جس قدر مسخ کر لیں۔ مگر وہ
میرے باپ کے نام کو کیوں کر مٹا سکیں گے۔ کہ وہ پھر خود ہی بے شناخت ہو جائیں گے۔
میں ابراہیم کا پوتا ہوں۔
میں آل ابراہیمؑ ہوں۔
آگ ابراہیم کے لیے گل زار ہو گئی تھی تو مجھے کیوں کر نقصان پہنچا سکے گی۔"(17)

خیبر پختونخوا کی مٹی تہذیبی اور تمدنی شناخت کی امین رہی ہے۔ خارجی اور داخلی انتشار نے اس صوبے کی مذہبی اور تہذیبی پہچان نوچنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اس مٹی کی فطرت میں موجود بھروسہ اور فرد کے ساتھ گہری وابستگی کے عناصر نے یہاں کی تہذیبی شناخت کو مسخ ہونے سے بچایا۔ یہی وجہ ہے کہ لادینیت سیکولرازم اور کمیونزم کی گود میں پلنے والی انجمن ترقی پسند تحریک بھی خیبر پختونخوا پہنچی۔ تو وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اور جو افسانہ اس تحریک کے زیر اثر لکھا گیا وہ بھی اسلام کی تقدیس پر قائم رہا۔

REFERENCES

Anwar Sadeed, Dr. "Urdu Adab ki Tehrekay" Antuman-e-Taraqi Urdu Pakistan Karachi, 2018, p 435

Ihtesham Hussain, Syed, "Tanqeed aur Amly Tanqeed", p 236

Sajjad Zaheer, Syed, "Roshanae", p 20

Aziz Ahmad, "Taraqi Pasand Abad, p 74

Ahmad Ali, "Taraqi Pasand Tahreek Ka Pasmanzar", "Afkar", March 1974, p 40

Shehnaz Ahmad, Dr, "Taraqi Pasand Tehreek aor Urdu Afsana", Educational publishing house Delhi, 2009, p 59

Rasheed Jahan, Dr, "Delhi Ki Sair", "Naqoosh, (Volume 2), Afsana No. p 471

Mahnama Nida Peshawar, January, February 1938, p 19

"Atak Kay Us Faar" Farigh Bukhari aor Raza Hamdani.

Zaitoon Bano, "Kirm Khorda Satoon Included in" Sheesham Ka Patta, p 68

Zaitoon Bano, "Khush gawar lambou ka Afsana" included in "Waqt Ki Dehleez par", p 150

Hazrat Shah, Syed, Afsana "Effai Ehad Mashmola Mujallah Khyber", January 1936, p 22

Taher Afridi, Afsana "Paeri" Mashmola "Dedan", December 1982, Bakhtyar Academy Karachi, p 103

Syed Raza Hamdani, Mashmola Jhoti Kahaneya" Pak Digest publications Lahore, 1985, p 32

Mrs, Munawar Rauf, Afsana Drond Pukhtoon" Majmooa Turfa Tomasha, p 199

Yousaf Aziz Zahid, "Tareek Basti May Phosphorous Ka aadmi Mashmoola Ablagh, Peshawar, April 1992.

Haider Qureshi, "Afsana" May entizar Karta hou", Majmooq Roshni Ki Basharat, p 46.